۱۸

اَن پڑھ علم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور پڑھے ہوئے دوسروں کو پڑھائیں

(فرمودہ ۲۳؍ جون ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مجھے کچھ عرصہ سے نقرس کی تکلیف ہے جس کی وجہ سے مَیں پچھلا جمعہ نہیں پڑھا سکا تھا اور دل میں یہ خواہش تھی کہ یہ جمعہ خود پڑھاؤں ۔ اِسی لئے دو دن پہلے مَیں نے باہر نکلنا شروع کر دیا تھا کیونکہ بعض دفعہ جب نقرس کے دَورے کا آخر ہوتا ہے تو آہستہ چلنے پھرنے سے فائدہ ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ دو سال ہوئے جب مجھے اِس درد کا پہلا دَورہ ہؤا تو اُس وقت آخری حصّہ دَورہ میں چلنے پھرنے سے مجھے آرام آ گیا تھا مگر اِس دفعہ یا تو کوئی بد پرہیزی ہوگئی یا یہ دورے کا آخری حصّہ نہیں تھا کہ دو دن باہر نکلنے کے سبب سے کل شام کو پھر مجھے نقرس کی تکلیف ہوگئی ۔ ورم بھی ہو گیا اور بخار بھی شروع ہو گیا مگر چونکہ مَیں نے یہ تکلیف جمعہ کے لئے اُٹھائی تھی اِس لئے مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ اب مجھے اِس کا بدلہ لے لینا چاہئے اور باوجود تکلیف کے جمعہ خود ہی پڑھانا چاہئے بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا ۔

مَیں اِس وجہ سے کہ ورم کی وجہ سے زیادہ دیر کھڑا نہیں ہوسکتا اور اِس وجہ سے بھی کہ درد کی وجہ سے مَیں اپنی توجہ پوری طرح قائم نہیں رکھ سکتا اختصار کے ساتھ ایک ایسے امر کی طرف

جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کے متعلق قادیان کی جماعت کوشش کر رہی ہے اور جس کے نمونہ کو دیکھتے ہوئے باہر کی جماعتوں نے ابھی کوشش کرنی ہے اور وہ تعلیم عامہ کا سوال ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تعلیم کو اتنا ضروری قرار دیا ہے کہ مکّہ کے لوگ جن میں پڑھنا لکھنا عیب سمجھا جاتا تھا اُنہیں بھی آپ نے آہستہ آہستہ تعلیم کی طرف متوجہ کر دیا۔ مکّہ کے لوگوں میں پڑھنا لکھنا اِس قدر عیب سمجھا جاتا تھا کہ جب ان میں سے کسی شخص کو کوئی کہتا کہ تم پڑھے ہوئے ہو؟ تو وہ جواب میں کہتا کہ کیا تمہارے خیال میں مَیں شریف خاندان میں سے نہیں ہوں۔ گویا شرافت کا معیار ان میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان پڑھا ہوا نہ ہو۔ ان میں سے وہی لوگ تعلیم کی طرف توجہ کیا کرتے تھے جنہیں سرکاری کام کے لئے لکھنا پڑھنا سیکھنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ہر بڑے خاندان میں سے چند افراد کو چُن لیا جاتا تھا اور انہیں لکھنا پڑھنا سکھا کر ان کے سپرد اِس قسم کا کام کیا جاتا جس میں تحریر کی ضرورت ہوتی مثلاً رؤساء کی باہمی خط وکتابت ہوئی یا تجارتی معاہدات ہوئے یا لڑائیوں کے متعلق قانون اور ہدایتیں ہوئیں یا کعبہ کے متعلق کوئی بات تحریر میں لانی ہوئی یا شہر کے متعلق کسی قسم کے قانون کا نفاذ کرنا ضروی ہوا تو جن خاندانوں کے سپرد یہ کام ہوا کرتا تھا وہ اپنے میں سے ایک ایک دو دو کو ان کاموں کے لئے معمولی تعلیم دلا دیتے تھے۔ اس قسم کے چند لوگوں کو مستثنٰی کرتے ہوئے باقی تمام لوگ فخر یہ کہا کرتے تھے کہ چونکہ ہم پڑھے ہوئے نہیں اِس لئے ہم شریف ہیں۔ ایسی قوم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے اور انہیں لوگوں کے درمیان آپ نے پرورش پائی جس کے نتیجہ کے طور پر ظاہری حالات کے لحاظ سے آپ کے نزدیک علم کی کوئی قدر نہیں ہونی چاہیئے تھی مگر چونکہ آپ کے تمام کام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت تھے اِس لئے آپ نے اِس بارہ میں بھی رائج الوقت خیالات کے خلاف قدم اُٹھایا اور صحابہ کو بار بار لکھنے پڑھنے کی تاکید کی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تعلیم کا اِس قدر فکر تھا کہ بدر کے موقع پر جو کفار قید ہو کر آئے باوجود اس بات کے کہ وہ اسلام کے شدید ترین دُشمن تھے، باوجود اِس بات کے کہ وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف تمام عرب میں دُشمنی کی آگ بھڑکائی اور باوجودیکہ اُس وقت کے تمدن کے لحاظ سے یہ بالکل جائز ہوتا اگر آپ ان تمام کفار کو قتل کر کے اُس شورش

کا خاتمہ کر دیتے جو اسلام کے خلاف جاری تھی۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو اپنے جُرم کے بدلہ میں جرمانہ ادا کر دو اور آزاد ہو جاؤ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے مومنوں کو یہی حُکم دیا ہے کہ قیدیوں کے متعلق دو ہی صورتیں ہیں۔ اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً [1] یا تو تم انہیں احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو ان دو باتوں میں سے تم کو اختیار ہے جسے چاہو اختیار کر لو۔ کوئی تیسرا طریق تمہارے لئے جائز نہیں۔ اِس پر آپ نے ان قیدیوں سے فرمایا اگر تم چاہو تو تم فدیہ دے کر چھوٹ سکتے ہو مگر فرمایا ایک اور صورت بھی ہے جس کے نتیجہ میں تمہارا روپیہ بھی تمہارے گھر میں رہے گا اور تم اپنے فدیہ سے بھی سبکدوش سمجھے جاؤ گے اور وہ یہ کہ تم میں سے ہر پڑھا لکھا شخص مدینہ میں دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔[2] یہ تعلیم پرائمری جتنی بھی نہیں تھی بلکہ معمولی نوشت خواند تھی۔ چنانچہ بہت سے کفّار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اِس بات کو مان لیا اور وہ مدینہ میں رہ کر بچوں اور بڑوں کو پڑھاتے رہے اور جب اُنہوں نے لکھنا پڑھنا سکھا دیا تو وہ رہا کر دیئے گئے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفّار کا اِس پر چھ مہینے سے لے کر ڈیڑھ دو سال کا عرصہ لگا۔ اِس دوران میں ان کا کھانا اور کپڑا مسلمانوں کے ذمّہ رہا۔ گویا انہیں تنخواہ بھی ملتی رہی، اُن کا روپیہ بھی گھر میں رہا اور اُن کی طرف سے فدیہ بھی ادا ہو گیا۔

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو اس قدر اہم قرار دیا ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو تعلیم دلانے کے لئے کافروں کو اپنے گھروں میں رکھ لیا۔ حالانکہ بالکل ممکن تھا مسلمانوں میں شامل رہنے کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کی بعض کمزوریوں کا علم ہو جاتا، ان کے سامانِ حرب کی کمی کا انہیں پتہ چل جاتا، ان کی تعداد کی قلت انہیں معلوم ہو جاتی اور اس طرح بعد میں وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا دیتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ آپ نے ڈیڑھ دو سال تک کفّار کو اپنے اندر رکھا اور چاہا کہ مسلمان لکھنا پڑھنا سیکھ لیں خواہ بعد میں کفّار کی طرف سے بعض نقصانات ہی کیوں نہ پہنچ جائیں۔

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس چیز کی اتنی قیمت قرار دی ہے اگر ہم اِس چیز کی کم قیمت قرار دیں تو دراصل ہم اس محبت کی کمی کا اقرار کرتے ہیں جو ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات سے ہونی چاہئے۔ صحابہ کو تو ہر بات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنے کا اِس قدر شوق تھا کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک جگہ پیشاب کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ چونکہ تھوڑے ہی فاصلہ پر پڑاؤ آنے والا تھا اِس لئے کسی نے ان سے کہا کہ آپ نے خواہ مخواہ قافلے کو روکا اور وقت ضائع ہؤا۔ جب تھوڑی ہی دیر میں پڑاؤ آنے والا تھا تو آپ کو چاہئے تھا کہ وہاں پہنچ کر حوائج سے فارغ ہوتے۔ دوسرے اگر آپ نے قافلہ کو روکنا ہی تھا تو فلاں جگہ بھی تو اوٹ تھی آپ وہاں کیوں نہ بیٹھ گئے؟ اتنی دُور جا کر آپ کیوں بیٹھے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے پیشاب تو نہیں آیا تھا بات دراصل یہ ہے کہ مَیں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک دفعہ اِسی جگہ پیشاب کے لئے بیٹھتے دیکھا تھا۔ پس مَیں نے چاہا کہ آپ کی سُنت میں مَیں بھی اِس جگہ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤں۔[۳] تو اُن کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر حرکت کی اقتداء میں خواہ وہ طبعی ہی کیوں نہ ہو وہ ایک لذت اور سرور محسوس کرتے تھے۔ کُجا یہ کہ وہ احکام جو شرعی اور قومی حیثیت رکھتے ہیں ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء نہ کی جائے۔ ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ ہر مسلمان پڑھا لکھا ہؤا کرتا تھا اور عیسائی اپنے متعلق اِس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم اَن پڑھ ہیں چنانچہ مسلمانوں کی پُرانی تاریخیں پڑھ کر حیرت آتی ہے کہ اب زمانہ میں کس قدر اُلٹ انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ اُن تاریخوں میں جہاں عیسائیوں کا ذکر آتا ہے وہاں لکھا ہؤا ہے کہ عیسائی وہ ہوتا ہے جو اَن پڑھ ہو، جس کے کپڑے نہایت غلیظ ہوں، جس کے جسم سے بدبو آتی ہو، جس نے نہ کبھی غسل کیا ہو نہ خوشبو لگائی ہو، اس کے بال بڑھے ہوئے ہوں، ان میں جوئیں پڑی ہوئی ہوں اور ناخنوں میں بھی میل جمی ہوئی ہو اور مسلمان وہ ہوتا ہے جو پڑھا لکھا ہو، صاف ستھرا ہو، غسل باقاعدہ کرتا ہو، بال کٹے ہوئے ہوں، ناخن ترشوائے ہوئے ہوں، کپڑے صاف اور دُھلے ہوئے ہوں اور خوشبو لگی ہوئی ہو مگر آج اس کے بالکل اُلٹ نظارہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ جتنی باتیں اُس وقت عیسائیوں میں پائی جاتی تھیں وہ آج مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں اور جتنی باتیں مسلمانوں میں پائی جاتی تھیں وہ آج عیسائیوں میں پائی جاتی ہیں۔

مَیں نے اِس کے متعلق جو کتاب پڑھی ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

سات سو سال بعد کی لکھی ہوئی ہے۔ اگر اُس وقت کا مصنف آج دُنیا میں آ جائے اور ہمارے مُلک میں پھرے تو وہ دیکھتے ہی کہنے لگ جائے گا کہ یہ عیسائیوں کا مُلک ہے اور اگر وہ عیسائیوں کے مُلک میں پھرے تو ان کو دیکھتے ہی کہنے لگ جائے گا کہ یہ مسلمانوں کا مُلک ہے کیونکہ جو نقائص اُس وقت عیسائیوں میں پائے جاتے تھے وہ آج مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں اور جو خوبیاں اُس وقت مسلمانوں میں پائی جاتی تھیں وہ آج عیسائیوں میں پائی جاتی ہیں۔

تو مَیں نے خدّام الاحمدیہ کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ وہ اَن پڑھوں کو پڑھائیں اور ان کی تعلیم کا انتظام کریں۔ مجھے معلوم ہؤا ہے کہ بعض دوست اخلاص سے تعلیم میں حصّہ لے رہے اور شوق اور تندہی سے اَن پڑھوں کو پڑھا رہے ہیں اور پڑھنے والے بھی دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں مگر اس کے مقابلہ میں بعض ایسے لوگ بھی معلوم ہوئے ہیں جو پڑھنے سے جی چُراتے ہیں اور بعض وہ لوگ بھی معلوم ہوئے ہیں جو پڑھانے میں حصّہ نہیں لے رہے۔ حتّٰی کہ بعض محلّوں کے پریذیڈنٹ بھی اِس بارہ میں خدّام الاحمدیہ کے ساتھ تعاون نہیں کر رہے۔ اُنہوں نے مجھے ریکارڈ بھجوایا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض محلّوں کے پریذیڈنٹوں کو توجہ دلائی گئی مگر اُنہوں نے پرواہ ہی نہیں کی اور بعضوں نے تو جواب تک دینے کی ضرورت نہیں سمجھی حالانکہ اگر وہ کام نہیں کر سکتے تو ان کا دیانتداری کے ساتھ یہ فرض ہے کہ وہ اپنا کام دوسروں کے سپرد کر دیں اور خود پریذیڈنٹی سے الگ ہو جائیں سلسلہ کے عُہدے نام کے لئے نہیں بلکہ خدمت کے لئے ہوتے ہیں اور جتنا زیادہ کوئی شخص کام کرتا ہے اسی قدر زیادہ وہ عزت کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور جتنا کوئی شخص کم کام کرتا ہے اُسی قدر اس کی عزت دلوں میں سے کم ہو جاتی ہے۔ پس مجھے تعجب بھی ہؤا اور افسوس بھی کہ بعض محلّوں کے پریذیڈنٹوں نے اپنی ذمہ داری کو قطعاً نہیں سمجھا اور باوجود اِس بات کے کہ جس امر کی طرف انہیں خدّام الاحمدیہ کی طرف سے توجہ دلائی گئی تھی وہ ان کے محلّہ کے فائدہ کی تھی پھر بھی اُنہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اُن کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی ٹھنڈے ملک کا رہنے والا جیٹھ ہاڑ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھا تھا اور قریب ہی اِس کے سایہ تھا۔ کسی راہ گزر نے اُسے کہا کہ میاں دھوپ میں کیوں بیٹھے ہو سائے میں کیوں نہیں آ جاتے؟ وہ کہنے لگا سائے میں بیٹھ تو جاؤں مگر مجھے دو گے کیا؟

آخر وہ محلّہ کے پریذیڈنٹ ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے محلّہ والوں کی تکالیف کو دُور کریں اور اُن کی ترقی کا کوئی سامان اگر اُن کے امکان میں ہو تو اُسے ان کے لئے مہیا کریں کیونکہ پریذیڈنٹ بننے کی غرض خدمت کرنا ہے نہ کہ ایک نام اور عُہدے کو حاصل کر کے بیٹھ رہنا۔

پس جب خدّام الاحمدیہ کے ممبر اُن کے پاس آئے تھے اور اُنہوں نے کہا تھا کہ ہم اپنے آپ کو ثواب کے لئے آپ کے محلّہ کے لوگوں کی خدمت کے لئے پیش کرتے ہیں تو ان کو چاہیئے تھا کہ وہ ان کے ممنونِ احسان ہوتے اور سمجھتے کہ یہ ہمارا کام تھا جو خدّام الاحمدیہ سرانجام دینے لگے ہیں مگر بجائے اس کے کہ وہ ان کے ساتھ تعاون کرتے اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب خدّام الاحمدیہ ہم پر حکومت جتانے لگ گئے ہیں۔ گویا ان کی مثال بالکل اُس ٹھنڈے مُلک والے آدمی کی سی ہے جسے کہا گیا کہ تو سائے میں آجا تو وہ کہنے لگا مجھے دو گے کیا؟ خدّام الاحمدیہ نے بھی کہا کہ آیئے ہم آپ کی خدمت کرتے ہیں اور محض اِس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ اَن پڑھوں کی تعلیم کا انتظام کر دیتے ہیں۔ ہم خود تعلیم دلائیں گے خود معلمین کی نگرانی کریں گے اور انہیں سکھا پڑھا کر آپ کے حوالے کر دیں گے مگر بعض پریذیڈنٹوں نے یہ کیا کہ انہیں جواب تک نہیں دیا۔ گویا اُنہوں نے اپنے عمل سے کہہ دیا کہ ہمارا اِس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ تو جہاں مخلصین نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے اخلاص کا ثبوت دیا ہے وہاں بعض نے غفلت اور سُستی بھی دکھائی ہے۔ چنانچہ بعض کو جب لوگ پڑھانے کے لئے جاتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے پڑھ کے کیا لینا ہے؟ کیا پڑھنے کے بعد نوکری مل جائے گی؟ یہ ویسا ہی جواب ہے جیسے نماز کے متعلق بعض نادان مسلمان دیا کرتے تھے۔ اب تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو چکی ہے اور وہ نماز روزہ کی اہمیت کو سمجھنے لگ گئے ہیں مگر آپ کی بعثت سے پہلے جب انہیں نماز پڑھنے کے لئے کہا جاتا تو وہ جواب میں کہا کرتے کہ نماز پڑھ کر ہم نے کیا لینا ہے؟ کیا نماز پڑھنے سے روٹی مل جائے گی؟ یا کپڑا مل جائے گا یا روپیہ پیسہ مل جائے گا؟ گویا نماز کا بدلہ وہ روٹی اور کپڑے کی شکل میں ڈھونڈا کرتے تھے۔ اِسی قسم کا جواب اب بعض احمدیوں نے دے دیا ہے کہ ہم نے پڑھ کر کیا لینا ہے؟ کیا پڑھ کر نوکریاں مل جائیں گی؟ حالانکہ صرف نوکری ہی انسان کے لئے قیمتی شے نہیں

بلکہ عقل اور فہم و فراست کی تیزی اِس سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔ اگر کسی کو ذہنی ارتقاء حاصل ہو جائے، اس کا علم بڑھ جائے، اس کی عقل تیز ہو جائے اور اس کے فہم و فراست میں زیادتی ہو جائے تو کیا یہ کوئی کم فائدہ ہے؟ روپیہ تو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز ہے اور پھر روپیہ بھی وہی شخص کماتا ہے جو عالم و ذہین ہو۔ آخر وجہ کیا ہے کہ ایک شخص کروڑوں کروڑ روپیہ کما لیتا ہے اور دوسرا بھوکوں مرتا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ ایک میں علم و فہم کی زیادتی ہوتی ہے اور دوسرے میں علم و فہم نہیں ہوتا۔ پس علم بذاتِ خود ایک نہایت قیمتی اور مُفید چیز ہے۔ پھر جو شخص علم والا ہوگا وہ اگر فوج میں جائے گا تو اعلیٰ جرنیل بن جائے گا، طب سیکھے گا تو اعلیٰ درجہ کا طبیبِ حاذق بن جائے گا، قانون سیکھے گا تو اعلیٰ درجہ کا بیرسٹر بن جائے گا۔ گویا علم اُسے ہر میدان میں ترقی بخش دے گا تو روپیہ سے کسی چیز کی قیمت لگانا نہایت ادنیٰ اور گِرا ہؤا تخیل ہے۔ علم اپنی ذات میں ایک نہایت قیمتی چیز ہے خواہ اس کے بعد کسی کو روپیہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ دُنیا میں جس قدر ادنیٰ اقوام ہیں یہ کیوں ادنیٰ اقوام کہلاتی ہیں؟ اِسی لئے کہ ان میں علم نہیں۔ اگر وہ بھی علوم سیکھ لیں تو اچھوت، ہریجن اور چوہڑے چمار کے الفاظ ہی متروک ہو جائیں اور ان کے ماضی پر ایسا پردہ پڑ جائے کہ کسی کو معلوم تک نہ ہو کہ وہ بھی کبھی چوہڑے چمار رہ چکے ہیں۔ ہمیشہ نیچ اقوام جب ترقی کرتی ہیں تو رفتہ رفتہ وہ دوسری قوموں میں ملنا شروع ہو جاتی ہیں اور اس طرح وہ نئی قوموں کا حصّہ بن کر ایک نئی شکل اختیار کر لیتی ہیں جو ان کی پہلی شکل کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہوتی ہے جس طرح پانی دودھ میں مل جاتا ہے اور انسان یہ شناخت نہیں کر سکتا کہ دودھ میں پانی مِلا ہؤا ہے یا نہیں یا جس طرح پھل اور سبزیاں جب انسان کھاتا ہے تو وہ انسان کا جُزو بن جاتی ہیں اِسی طرح وہ قومیں دوسری قوموں میں مل کر ان کا ایک حصّہ اور جزو بن جاتی ہیں۔ کہیں دوسری قوم کے لڑکوں سے ان کی لڑکیاں بیاہی جاتی ہیں، کہیں جب لوگ ان کو علم اور تقویٰ میں بڑھا ہؤا دیکھتے ہیں تو وہ اپنی لڑکیاں انہیں دے دیتے ہیں اور اِس طرح جب آپس میں رشتے ناطے ہونے لگتے ہیں تو جیسے دودھ میں شکر مل جاتی ہے اسی طرح قومیں آپس میں مل جاتی ہیں اور ادنیٰ اور اعلیٰ کا امتیاز جاتا رہتا ہے مگر اِس کا پہلا قدم تعلیم ہی ہے۔ جب تک تعلیم نہ ہو نہ عقل بڑھتی ہے نہ ذہن میں تیزی پیدا ہوتی ہے، نہ فہم و فراست میں زیادتی ہوتی ہے، نہ اُٹھنے بیٹھنے کے آداب

معلوم ہوتے ہیں، نہ گفتگو کا طریق معلوم ہوتا ہے، نہ بڑوں سے ملنے کا سلیقہ آتا ہے، نہ چھوٹوں سے سلوک کرنا آتا ہے مگر جب انسان تعلیم حاصل کر لے تو ان تمام باتوں میں وہ ہوشیار ہو جاتا ہے اور گو بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں مگر قلوب پر ان کا نہایت گہرا اثر پڑتا ہے۔ جب انسان تعلیم حاصل کر لے تو تعلیم سے اسے گفتگو اور نشست برخاست کے وہ تمام آداب معلوم ہو جاتے ہیں جو شرفاء میں رائج ہیں۔

مرزا مظہر جان جاناں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دفعہ ان سے ملنے کے لئے بادشاہ آیا اُس کے ساتھ اس کا وزیر بھی تھا۔ وزیر کو پیاس جو لگی تو اُس نے صراحی سے جو پاس ہی پڑی ہوئی تھی پانی لیا اور پی کر صراحی پر آبخورہ بجائے سیدھا رکھنے کے لاپرواہی سے ذرا ٹیڑھا رکھ دیا۔ وہ اتنی نازک طبیعت کے تھے کہ اسے برداشت نہ کر سکے اور بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگے اسے کس بے وقوف نے وزیر بنایا ہے؟ اِسے تو کوزہ بھی سیدھا رکھنا نہیں آتا۔ گویا بادشاہ پر بھی چوٹ کر گئے اور وزیر کو بھی انہوں نے ملامت کر دی۔ تو اُٹھنے بیٹھنے اور کام کاج کرنے کے طریق طبائع پر بڑا اثر ڈالتے ہیں۔ ایک ہی کام ہوتا ہے جسے ایک تو خوب سلیقہ اور ہوشیاری کے ساتھ سرانجام دیتا ہے مگر دوسرا ایسے بھونڈے طریق سے کرتا ہے کہ اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو آداب اور طریق بات کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتے ہیں اور یہ اصول صرف اہم باتوں سے مخصوص نہیں۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی جب کوئی شخص عقلمندی سے کام لیتا ہے تو اس کا وہ کام نہایت خوبصورت دکھائی دیتا ہے لیکن جب دوسرا اُسے تہذیب و تمدن کے اصول کے مطابق سرانجام نہیں دیتا تو وہ بدصورت نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر چائے کو دیکھ لو انگریز بھی چائے پیتے ہیں اور ہندوستانی بھی مگر انگریزوں میں یہ رواج ہے کہ وہ چائے پیتے وقت ہونٹوں کی آواز نہیں نکالتے لیکن ہندوستانی جہاں چائے پی رہے ہوں قریباً سب چائے پیتے وقت یہ آواز نکال رہے ہوں گے۔ اس فرق کی وجہ نہایت ہی معمولی ہے اور وہ یہ کہ ہندوستانی چائے پیتے وقت زیادہ گھونٹ لے لیتا ہے مگر انگریز چھوٹے چھوٹے گھونٹ پیتا ہے اور اِس طرح آواز پیدا نہیں ہوتی لیکن باوجود اِس کے کہ ایک معمولی بات ہے انگریزوں کی مجلس میں کوئی چائے پیتے وقت آواز نکالے تو سب کنکھیوں سے اُسے دیکھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ وحشی کہاں سے آ گیا؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اِس قسم کے کئی آداب سکھائے ہیں مثلاً آپ نے فرمایا کھانا اطمینان اور وقار سے کھاؤ،[4] دائیں ہاتھ سے کھاؤ،[5] بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ۔ اِسی طرح اِدھر اُدھر سے کھانا نہ کھاؤ بلکہ ہمیشہ اپنے آگے سے کھانا شروع کرو اور کھانا اِس طرح نہ کھاؤ گویا تمہیں اِس کی شدید حرص ہے۔[6] اب دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے میں کیا فرق ہے؟ کوئی بہت زیادہ فرق نہیں۔ دائیں سے نہ کھایا بائیں سے کھالیا یا اس میں کیا حرج ہے اگر کسی نے سامنے سے لقمہ لینے کی بجائے اِدھر اُدھر سے کھانا کھانا شروع کر دیا کیا ان آداب کو اگر ملحوظ نہ رکھا جائے تو ہیضہ ہو جاتا ہے؟ یا کھانا زہر والا بن جاتا ہے؟ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک شخص کا پیٹ بھرتا ہے اسی طرح دوسرے کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ تم کوئی ایسی دلیل نہیں دے سکتے جس سے تم یہ واضح کرسکو کہ اس میں یہ فائدہ ہے اور اس میں وہ۔ صرف یہ ایک تہذیب کی علامت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مقرر فرمائی۔ بے شک ان میں فوائد بھی ہیں مگر وہ اتنے باریک ہیں کہ ہر شخص ان کو سمجھ نہیں سکتا لیکن ان پر عمل کرنے سے ایک تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا متبع بن جاتا ہے اور دوسرا جو عمل نہیں کرتا وہ نافرمان بن جاتا ہے۔ اِسی طرح یہ سوال کہ لقمہ دو انگلیوں سے لینا چاہیئے یا تین یا چار سے اِس میں بھی سُنت کے حوالوں سے بڑی بھاری فرق نظر آتا ہے بلکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر مُلک میں مُنہ میں لقمہ ڈالنے کا الگ الگ رواج ہے۔ کوئی سامنے سے مُنہ میں ڈالتا ہے اور کوئی پہلو سے۔ جو لوگ سامنے سے لقمہ ڈالتے ہیں۔ وہ جب ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو پہلو سے لقمہ ڈال رہے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں یہ کیسے بدتہذیب ہیں اِنہیں مُنہ میں لقمہ ڈالنا بھی نہیں آتا اور جو لوگ پہلو سے لقمہ ڈالنے کے عادی ہیں وہ جب ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو سامنے سے لقمہ ڈالتے ہیں تو انہیں تہذیب وتمدن سے ناآشنا قرار دینے لگ جاتے ہیں۔

تو ان باتوں پر رسم ورواج کا بڑا اثر ہوتا ہے مگر جہاں شریعت کی پسندیدگی کا سوال بھی پیدا ہو جائے وہاں اس کی اہمیت کا انکار کرنا سخت بیوقوفی ہوتی ہے کیونکہ شریعت کی تمام باتوں میں حکمت ہوتی ہے چاہے وہ حکمت کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے تو یہ سب باتیں تعلیم سے آتی ہیں اور تعلیم کے نتیجہ میں ہی صحیح تمدن پیدا ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے کسی کو علم دے دے۔

سو اگر کوئی شخص ایسا ہو تو پھر اِسے کسی دُنیوی اُستاد سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے کہ آپ نے کسی انسان سے علم نہیں سیکھا مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ لوگ کہنا شروع کر دیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھے ہوئے نہیں تھے تو ہم کیوں تعلیم حاصل کریں؟ اگر کوئی شخص ایسا کہتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح تم بھی یہ دعویٰ کرو کہ تمہارے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ تمہیں خود پڑھائے گا تو ہم تمہیں کبھی لوگوں سے پڑھنے کے لئے نہ کہیں گے اور سمجھ لیں گے کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم سکھا دیئے تھے اُسی طرح وہ تمہیں تمام علوم سکھا دے گا۔ اِس صورت میں اگر تم خدّام الاحمدیہ کو یہ جواب دو کہ ہم تمہارے مقرر کردہ اُستادوں سے نہیں پڑھتے۔ ہمارے ساتھ خُدا کا یہ وعدہ ہے کہ وہ آپ ہمیں پڑھائے گا تو ہم تمہارے اِس عُذر کو تسلیم کر لیں گے اور کہیں گے کہ واقع میں تمہیں کسی انسان سے پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم کو جو اُستاد مِلا ہے اُس سے بڑا اور کوئی اُستاد ہے ہی نہیں لیکن جب خُدا تعالیٰ کا تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں اور تم نقل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنا چاہتے ہو جن کو خدا نے تمام علوم سکھائے تو تمہاری مثال بالکل وہی بن جاتی ہے کہ کوّا ہنس کی چال چلا اور اپنی بھی بھُول گیا۔ تم بھی اپنی چال چھوڑ دیتے ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس بات میں نقل کرتے ہو جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان پر امتیاز بخشا ہے۔ پس تم دونوں طرف سے ناکام رہتے ہو نہ تم اپنی کوشش سے کسی علم کو حاصل کرتے ہو اور نہ خُدا تمہیں علم دیتا ہے کیونکہ اس کا تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں ہوتا۔

پس یاد رکھو ایسے معاملات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نقل کرنا نادانی اور حماقت ہے اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اَن پڑھ تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَن پڑھ ہونے کے یہ معنے نہیں کہ آپ کو کوئی علم نہیں آتا تھا بلکہ صرف یہ معنے ہیں کہ آپ نے کسی انسان سے علم نہیں پڑھا۔ ورنہ وہ کون سا علم ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل نہیں تھا اور کونسی وہ نئی بات ہے جس کی مذہب و اخلاق کے لئے ضرورت ہو اور جسے آج تحقیق جدید نے پیش کیا ہو اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم میں وہ

پہلے سے موجود نہ ہو۔

ہم بیسیوں صدی میں پیدا ہوئے ہیں اس زمانہ میں ہوئے ہیں جو علم کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ کتابیں ہمارے مطالعہ میں آتی ہیں جو علوم کے لحاظ سے چوٹی کی کتب سمجھی جاتی ہیں اور وہ لوگ ہمارے دائیں بائیں ہیں جن کا مشغلہ ہر وقت علم پڑھنا اور دوسروں کو پڑھانا ہی ہے مگر میں نے تو آج تک نہ کوئی ایسی کتاب دیکھی اور نہ مجھے کوئی ایسا آدمی ملا جس نے مجھے کوئی ایسی بات بتائی ہو جو قرآن کریم کی تعلیم سے بڑھ کر ہو یا قرآن کریم کی کسی غلطی کو ظاہر کر رہی ہو یا کم از کم قرآن کریم کی تعلیم کے برابر ہی ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدا تعالیٰ نے وہ علم بخشا ہے جس کے سامنے تمام علوم ہیچ ہیں۔

چودھویں صدی علمی ترقی کے لحاظ سے ایک ممتاز صدی ہے اِس میں بڑے بڑے علوم نکلے، بڑی بڑی ایجادیں ہوئیں اور بڑے بڑے سائنس کے عقدے حل ہوئے مگر یہ تمام علوم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ تو ان امور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نقل کرنا محض نادانی اور حماقت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا آپ سے ایک امتیازی سلوک تھا اور اِس امتیازی سلوک میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں ہوسکتا۔ اِسی طرح اگر کسی دوسرے سے خدا تعالیٰ کسی اور امتیازی سلوک کا وعدہ کر دے تو اِس سلوک میں بھی کوئی اور اس کا شریک نہیں ہوسکتا۔

کہتے ہیں ایک بزرگ تھے جو توکّل کر کے گھر میں بیٹھے رہتے تھے روزی کمانے کے لئے کوئی کام نہیں کیا کرتے تھے جو کچھ خدا انہیں بھیج دیتا وہ کھا لیتے۔ جب لوگ انہیں کہتے کہ آپ سارا دن بے کار رہتے ہیں یہ ٹھیک بات نہیں آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی روزی کے لئے جدوجہد کریں تو وہ کہا کرتے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں اور مہمان کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ خود روٹی پکائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے روٹی بھیج دیتا ہے اور مَیں کھا لیتا ہوں۔ بعض لوگ جو اِن کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے وہ خیال کرتے کہ شاید سُستی کی وجہ سے وہ کام نہیں کرتے۔ آخر لوگوں نے اُن کے ایک دوست کو جو خود بھی ولی اللہ تھے تحریک کی کہ آپ انہیں سمجھائیں کہ یہ اپنی زندگی برباد نہ کریں اور کچھ کما کر کھایا کریں سارا دن توکّل کر کے بیٹھ رہنا اور جدوجہد نہ کرنا یہ اچھی بات نہیں۔

چنانچہ انہوں نے اِس بزرگ کو کہلا بھیجا کہ آپ اپنی زندگی کیوں رائیگاں کھو رہے ہیں؟ بہتر ہے کہ آپ کوئی شغل اختیار کریں اور روزانہ تھوڑا بہت کام کرلیا کریں۔ جو کمائیں اس سے اپنا گزارہ کیا کریں۔ اُنہوں نے جواب میں پیغام بھیجا کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں اور میرے لئے یہ بالکل ناجائز امر ہے کہ مَیں کوئی کام کروں۔ جب معمولی رئیس کے گھر میں بھی اگر کوئی مہمان ٹھہرے تو وہ یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اُس کا مہمان اپنا کھانا اپنے لئے خود تیار کرے تو مَیں بھی اگر کھانا پکانے لگوں تو میری اِس حرکت کو خدا کب پسند کرے گا؟ وہ یقیناً ناراض ہوگا اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی برداشت کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ وہ بھی ذہین آدمی تھے اُنہوں نے جب یہ بات سُنی تو کہلا بھیجا کہ آپ بیشک مہمان ہوں گے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ مہمانی تین دن ہوتی ہے اِس کے بعد کوئی مہمانی نہیں اور اگر کوئی مہمان بنا رہتا ہے تو وہ دراصل سوال کرتا ہے۔[ے] پس آپ اگر مہمان بھی تھے تو آپ کی مہمانی کب کی ختم ہوچکی ہے اور اب تو آپ سائل ہیں۔ ان کو چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ مل چُکا تھا کہ مَیں خود تیرا متکفّل ہوں تجھے اپنے لئے کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اِس لئے جب ان کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اُنہوں نے پیغام پہنچانے والے سے کہا کہ میرے بھائی سے کہہ دینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سرآنکھوں پر مگر مَیں جس کے گھر کا مہمان ہوں اُس کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ پس پہلے مجھے تین ہزار سال تک مہمان بنے رہنے دو اِس کے بعد اگر میری مہمانی کے ایّام بڑھ گئے تو بیشک اعتراض کرنا۔

اب جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا اُس نے تو یہ دعویٰ کردیا مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ واقعہ سُن کر تم بھی کام کرنا چھوڑ دو اور کہہ دو کہ جب اُس بزرگ کو اللہ تعالیٰ بغیر کام کاج کئے روزی پہنچا دیتا تھا تو ہمیں کیوں نہیں پہنچائے گا؟ اِسی طرح بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں پڑھا اور آخر عمر تک نہیں پڑھا (بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ آخری عمر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا مگر میری تحقیق یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آخر عمر تک لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا) مگر اِس لئے کہ خُدا نے خود آپ کو تمام علوم سکھا دیئے تھے اور آپ کو اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ اور لوگوں کی شاگردی اختیار کریں لیکن

اور کسی شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ۔ پس دوسروں کا اِس امر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نقل کرنا بالکل بے معنی بات ہے ۔ بیشک ہمیں یہ حُکم ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامل فرمانبرداری کریں مگر اُنہی امور میں جو شرعی اور تمدنی ہیں لیکن وہ جو شرعی اور تمدنی امور نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے ساتھ وہ امور مخصوص ہیں ان میں اگر کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نقل کرتا ہے تو وہ حد درجہ کی گستاخی اور بے ادبی کرتا ہے مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریق تھا کہ آپ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے اور حج کرتے تھے ۔ ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم نمازیں بھی پڑھیں، ہم روزے بھی رکھیں، ہم زکوٰۃ بھی دیں اور اگر ہم میں استطاعت ہو تو ہم حج بھی کریں مگر ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم نَو بیویاں کریں کیونکہ یہ امر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مخصوص تھا اور جو شخص اِس مخصوص امتیاز میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نقل کرتا ہے وہ اوّل درجہ کا گستاخ ہے اور اپنے عمل سے اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی گرفت اس پر نازل ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ قسم کے احکام دیئے ہوئے ہیں جو نقل والے ہیں وہ اَور ہیں اور جو نقل والے نہیں وہ اَور ہیں ۔ اور لوگوں سے علم نہ سیکھنا بھی انہی امور میں سے ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مختص تھا اور جس میں کوئی دوسرا آپ کی نقل نہیں کرسکتا ۔ پس مَیں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو لوگ پڑھے ہوئے نہیں وہ علم حاصل کرنے کی طرف توجہ کریں اور جن کو خدا تعالیٰ نے علم دیا ہوا ہے وہ دوسروں کو پڑھائیں ۔ اِس وقت علم حاصل کرنے کا خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو ایک نہایت ہی اعلیٰ موقع عطا کیا ہوا ہے ۔ اگر کسی شخص نے اپنی غفلت سے اِس موقع کو کھو دیا تو اُس کی بدقسمتی میں کوئی شُبہ نہیں ہوگا ۔ دوسری قوموں میں یہ بات بھلا کہاں پائی جاتی ہے کہ ان میں سے علم والے اپنے اوقات کی قربانی کر کے دوسروں کو پڑھائیں ۔ علم سیکھنا اور علم سکھانا بڑی برکت کا موجب ہوتا ہے ۔ اگر ہماری جماعت اِس موقع کو کھو دے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے بادشاہ کسی کو خِلعت دے اور وہ اُسے پھاڑ کر پھینک دے ۔ جو شخص خِلعت کی قدر نہیں کرتا اُسے آئندہ کے لئے خِلعت دینے سے گریز کیا جاتا ہے ۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ جب ثواب کے مواقع پیدا کرتا ہے تو جو لوگ اِن مواقع کی

قدر نہیں کرتے وہ ثواب سے محروم رکھے جاتے ہیں۔ یہ دن بڑی برکتوں اور رحمتوں کے دن ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ہماری جماعت کو حاصل ہیں۔ دوسری قوموں کو یہ قربانیوں اور ثواب کے موقعے حاصل نہیں۔ صرف ہماری جماعت ہی ہے جسے مالی، جانی، وقتی، ملی اور علمی قربانیوں کے پے در پے مواقع ملتے چلے جاتے ہیں اور دراصل یہی وہ خزانے ہیں جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسیح موعود خزانے لٹائے گا مگر لوگ قبول نہیں کریں گے۔[8] اس پیشگوئی سے مراد مسیح موعود کی جماعت نہیں بلکہ عام لوگ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ خزانے ایسے نہیں جن سے روٹی ملے بلکہ ایسے ہوں گے جو لوگوں کو روحانی برکات سے مالا مال کر دیں گے اور جو مالی اور جانی قربانی کا لوگوں سے مطالبہ کریں گے مگر لوگ انہیں قبول نہیں کریں گے۔ یہاں لوگوں سے مراد آپ کے مرید نہیں بلکہ غیر لوگ ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ ان کو ردّ کر دیں گے مگر وہ لوگ جو آپ کا حصّہ اور آپ کی جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے آپ کا جزو ہوں گے وہ قبول کریں گے اور ہر قسم کی قربانیوں میں حصّہ لے کر روحانی خزانوں سے مالا مال ہو جائیں گے۔

غرض یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی رحمت کے نزول کے ایّام میں ان دنوں کی قدر کرو اور انہیں رائیگاں کھو کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خلعت کی بے حُرمتی مت کرو۔ اگر آج ان ثواب کے موقعوں سے تم فائدہ نہیں اُٹھاؤ گے تو یاد رکھو یہ زمانہ گزر جائے گا اور پھر نہ ثواب کے یہ مواقع پیدا ہوں گے اور نہ لوگوں کو قربانیوں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ہر قسم کے سامان حکومت کی طرف سے میسر ہوں گے، مدرسے جاری ہوں گے، یونیورسٹیاں قائم ہوں گی اور ہر اَن پڑھ شخص کو تعلیم دلانے کا حکومت خود انتظام کر رہی ہوگی۔ اُس وقت اگر تم کسی کو کہو گے کہ آؤ میں تمہیں پرائمری تک تعلیم دلا دوں تو وہ کہے گا تم بیوقوف ہوئے ہو جب سرکاری طور پر ایم اے کی تعلیم حاصل کرنے کا انتظام ہے تو مجھے تمہارا ممنونِ احسان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر اب کیسا مبارک زمانہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف دستخط کرنا جانتا ہے تو وہ دوسرے کو دستخط کرنا سکھا کر ہی ثواب حاصل کر سکتا ہے اور جسے اُردو کے دو حرف آتے ہیں وہ دوسرے کو دو حرف پڑھا کر ہی معلّم بن سکتا ہے اور معلم کوئی معمولی عُہدہ نہیں بلکہ بہت بڑا عُہدہ ہے لیکن آج یہ عُہدہ صرف

دو حرف پڑھا کر مل سکتا ہے اور ہر شخص کی زبان سے وہ معلّم اور اُستاد کہلا سکتا ہے۔ پس اِس نہایت ہی قیمتی اور ثواب کے موقع کو ہاتھ سے جانے دینا سخت نادانی کی بات ہے۔''

(الفضل ۳۰؍جون ۱۹۳۹ء)

۱۔ محمد:۵

۲۔ السیرۃ الحلبیۃ جلد۲ صفحہ ۱۴۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۳۔

۴۔ بخاری کتاب الاطعمۃ باب التَّسمِیَۃُ علی الطعام

۵۔ بخاری کتاب الاطعمۃ باب التَّسمِیَۃُ علی الطعام و الأکل بِالیمین

۶۔ بخاری کتاب الاطعمۃ باب الأکل ممایلیہ

۷۔ سنن ابو داؤد کتاب الاطعمۃ باب ما جاء فِی الضِیافۃ

۸۔ صحیح بخاری کتاب البیوع باب قتل الخنزیر